علوم عقلیہ اور خانوادہ ولی اللّٰہی

مولانا محمد عبد اللہ عمر پوری[1]

علوم عالیہ کو تین شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ منقولات، معقولات اور مکشوفات۔ منقولات میں وہ علوم شمار ہوتے ہیں، جو کہ نقل و روایت سے ہم تک پہنچتے ہیں۔ ان میں علوم شرائع و ادیان اور علوم تاریخ و آثار شامل ہیں۔ معقولات وہ علوم ہیں، جن کے تعلق عقل و ذہن سے ہے۔ اور علوم مکشوفات کا تعلق وجدانی کیفیات سے ہے، جو بدنی ریاضیاتِ شاقہ اور روحانیت میں حصولِ کمال کے بعد وارد ہوتی ہیں۔ ان تمام شعبہ ہائے علوم میں دانی درک رکھنے والوں کو کاملین اور محققین کہا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان مدعیان علم کو جو علوم منقولہ میں صحیح مقاصدِ علمی اور اغراضِ دینی سے دُور رہتے ہیں، "وراقین" کہا ہے (الانتباہ غیر مطبوعہ) یعنی اوراق اور الفاظ کے چکر میں گرفتار۔ فارسی کے مشہور شاعر عرفی کا یہ مصرعہ انہیں پر صادق آتا ہے۔

ع۔ فقیہاں دفترے را می پرستند

اسی طرح علوم عقلیہ کے وہ مدعیان کمال جو خود کو ہمہ داں سمجھتے ہیں، اور علوم کشف و نقل سے انہیں انکار ہے، شاہ صاحب ان کو "گھر دُزدانِ حکمت" کا خطاب دیتے ہیں، "تفہیمات الہیہ" میں شاہ صاحب کی ایک طویل نظم ہے، جس کا مطلع ہے۔

علی من می شناسم این گھر دُزدانِ حکمت را ۔۔۔ فلاطوں آہ گرمی دید یونانے کہ من دارم

---

[1] خطیب جامع مسجد بیکانیری دروازہ بہاولپور و سابق استاد حدیث جامعہ عباسیہ بہاولپور

شاہ ولی اللہ کسی بڑے سے بڑے فلسفی اور حکیم کا یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ وہ علوم عقلیہ میں بزعم خویش اپنی مہارت وکمال کی بنا پر دین حق میں "حکم" بنے، جو کہ جامع ہے تینوں علوم عالیہ کا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "انسان العین" میں اپنے عارف استاذ الاستاذ حضرت شیخ ابراہیم کردی مدنی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

هؤلاء الفلاسفة قاربوا — یہ فلسفی لوگ تحقیق حق کی دھن میں کوشش کرتے ہوئے

على الحق عثورا ولم يهتدوا — حق کے قریب تو پہنچ گئے، لیکن وہ اس تک ہدایت نہ پاسکے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدایت صرف نبوت حقہ کی رہبری میں ملتی ہے، جسے قرآن مجید نے "نور" سے تعبیر فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔ "اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا، نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف (پ ۳ ع ۲)

مدعیان علوم عقلیہ کے حق کے ادراک میں ناکام وخاسر رہنے کا ذکر مولانا روم نے اپنی مثنوی میں بار بار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

آپ ہی کا ایک اور شعر ہے۔

تا بکے ایں حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

حضرت شاہ ولی اللہ نے ایسے معقولیوں کو "گہر دزدانِ حکمت" کا لقب دے کر اگرچہ ان کے محقق وکامل ہونے کا انکار کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے پاس علم کے جواہر موجود ہیں۔ اب حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم کے ناقلین اور ادیان حقہ کے اتباع کو چاہیئے کہ وہ ان جواہر کو حاصل کریں، بے شک علوم حقہ یقینیہ کے ساتھ ساتھ تحقیقات علمیہ کی مدد سے علم وعرفان کی عمارت کو آسمان تک بلند کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے محققین اسلام علوم عقلیہ جیسے کہ منطق، فلسفہ، ریاضی،

ہیئت، سیاسیات، منائع، اخلاق، طب اور طبیعات وغیرہ ہیں۔ حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ صاحب کا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کے مروجہ طریق تعلیم میں اصلاح فرمائی اور اس میں حکمتِ عملیہ (سیاست اور علمی اخلاق) کو داخل کیا۔ اور اس کے سلسلے ضروری اصول بھی وضع کئے، جن کا ذکر انہوں نے اپنے رسالے "دانشمندی" میں کیا ہے شاہ صاحب نے اپنی بعض دوسری کتابوں میں بھی اس طرف اشارہ فرمائے ہیں، چنانچہ تفہیمات الہیہ، بدور بازغہ، اور خیر کثیر میں علوم عقلیہ کا ذکر ہے۔ ازالۃ الخفا، قرۃ العینین اور بدور بازغہ میں سیاست اور تاریخ اسلام پر بحث کی ہے۔ المسوّی، المصفّیٰ اور الانصاف اور عقد الجید وغیرہ میں علوم نقلیہ کے شعبہ حدیث و فقہ کا بیان ہے لمعات، الطاف القدس، ہمعات اور القول الجمیل وغیرہ کا موضوع علوم کشف ہیں اور اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں ان تینوں علوم عالیہ یعنی علوم نقلیہ، عقلیہ اور کشفیہ کو جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اور ان میں مطابقت پیدا کی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے بعد ان کے صاحب زادوں اور ان کی اولاد نے یہ سلسلۂ بحث و تحقیق جاری رکھا اور ان علوم پر تصنیفات کیں۔

شاہ ولی اللہ نے علوم عقلیہ کی تحصیل اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم سے کی، جو علامہ میر زاہد ہروی مصنف کتب مشہور در فلسفہ و معقولات کے شاگرد رشید ہیں، جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے اپنے سلسلۂ اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے رسالہ دانشمندی میں لکھا ہے۔ علامہ میر زاہد کا سلسلۂ تلمذ مرزا جان قراباغی کے واسطے سے محقق جلال الدین دوانی تک پہنچتا ہے یہ سارا سلسلۂ اساتذہ محققین مصنفین کا ہے میر زاہد سلطان عالمگیر کے دور حکومت میں اعلیٰ مناصب پر رہے اور اسی ضمن میں وہ اکبر آباد (آگرہ) اور دہلی میں بھی رونق افروز ہوئے، جہاں شاہ عبدالرحیم کو آپ کا شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔

سنا گیا ہے (بروایت حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری و حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ) کہ میر زاہد صاحب نے علوم معقولات میں اپنی تین کتابیں جو کہ زواہد ثلاثہ کے نام سے موسوم ہیں، شاہ عبدالرحیم کی تعلیم کے لئے تصنیف کیں۔ اسی سلسلے میں ایک اور روایت ہے کہ جب قاضی محمد مبارک نے جو شاہ ولی اللہ کے ہم زمان تھے، سُلّم العلوم کی شرح مکمل کی، تو حضرت شاہ صاحب نے اپنے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کو پڑھانے

کے لئے موصوف سے اس کا ایک نسخہ طلب فرمایا۔ اس پر قاضی صاحب نے بڑے متکبرانہ انداز میں کہا کہ آپ کے صاحبزادے اسے نہیں سمجھ سکیں گے۔ حضرت مولانا محمد انور شاہؒ نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر حضرت شاہ ولی اللہ ارادہ فرماتے، تو وہ قاضی مبارک صاحب سے بہتر سُلّم العلوم کی شرح لکھ سکتے تھے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ شاہ صاحب نے تفہیمات الٰہیہ کے متعدد مقامات میں اکابرِ فلاسفہ یونان اور مناطقہ مشہورین کے اکثر مسائل پر مدلّل جرح کی ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز محقق نصیر طوسی کے بعض مسائل کا ردّ کیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے دوست مولانا عبدالعلی کو آمادہ کیا کرتے تھے کہ وہ قاضی محمد مبارک کی شرح سُلّم العلوم کے مقابلے میں شرح لکھیں جو قاضی صاحب کی شرح سے بہتر ہو۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے مولانا عبدالعلی کو "بحر العلوم" کا لقب عطا کیا تھا۔ اور یہ اسی لقب کی برکت تھی کہ مولانا عبدالعلی کو مثنوی مولانا روم کی شرح لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور انہوں نے مثنوی کی ایسی شرح لکھی کہ بعض روایات کی رو سے خود مولانا رومؒ نے اس کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ مولانا عبدالعلی نے اس کے علاوہ علوم نقلیہ میں حدیث پر رسائل الارکان کے نام سے ایک بے نظیر کتاب تالیف کی۔ اور اصول فقہ میں فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت، جو امام غزالیؒ کی کتاب المستصفی سے کسی اعتبار سے کم نہیں، لکھی۔

الغرض اس بابرکت خاندان رحیمی و ولی اللّٰہی کا علم و معرفت، تصنیف و تالیف اور تحقیق و اجتہاد کا دائرہ علوم عالیہ (منقولات، معقولات اور مکشوفات) کسی ایک صنف تک محدود نہ تھا۔ بلکہ ان سب علوم میں اس خاندان کے اکابر کو معرفت تامہ حاصل تھی۔ اور انہوں نے ان میں معرکہ آرا تصانیف چھوڑیں۔ مثال کے طور سے شاہ ولی اللہ کے حفید شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے علوم معقولات کے فاضل و محقق کے اعتراضات کا جواب، اور پھر ان کے جواب کا جواب لکھا۔ جس میں واقعی تحقیق کا حق ادا کیا گیا ہے۔ شاہ اسمٰعیل کا یہ رسالہ ایضاح الحق الصریح کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہوا۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے علامہ میر محمد زاہد ہروی کی تصنیف زواہد ثلثہ پر بڑی تحقیق سے حواشی لکھے۔

خود شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور ترین کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں جہاں وراثت کا ذکر ہے، وہاں وراثت کے حصص کی موزونیت پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب نے حسابی نقطۂ نظر سے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ امور حسابیہ میں بھی ان کے کتنا قدم راسخ تھا۔ اور وہ علوم عقلیہ کی اس صنف میں

ماہر تھے۔ شاہ رفیع الدین نے اپنے رسالہ تکمیل الاذہان میں سات زمینوں کے موجود ہونے پر بصیرت افروز بحث فرمائی اور اس کے علاوہ علم ہیئت میں تعدیلات الکواکب، تعدیلات الخمسہ المتحیرہ، سمت القبلہ اور علم حساب میں عقد انامل جیسے رسائل لکھے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں خلق سموات وارض اور اختلاف لیل ونہار پر بڑی بیش بہا معلومات بہم فرمائیں، جن کا تعلق علوم عقلیہ سے ہے۔

میرے اس مختصر سے بیان سے یہ بات واضح طور سے ذہن نشین ہو چکی ہوگی کہ خانوادہ ولی اللہی کا خاص علوم عقلیہ میں کتنا بلند مقام تھا۔ اور اس صنفِ علمی میں اس کے اکابر کے کیا تحقیقی کارنامے ہیں۔

علوم عقلیہ ہی کی ایک صنف (کاملاً نہیں بلکہ جزواً) علم عقائد کی ہے۔ یہ علم ان اصولوں سے بحث کرتا ہے، جن پر کسی مذہب کے ماننے والوں کے افکار کی بنیاد ہوتی ہے۔ اسلام میں علم عقائد کے دو شعبے ہیں۔

۱۔ معقولات

۲۔ مسموعات یعنی سمعیات

معقولات عقائد اسلام کا وہ حصہ ہے، جس کا ثبوت تو سمعی یعنی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات مبارک پر ہوتا ہے، لیکن اس پر عقلی دلائل قائم کئے جاسکتے ہیں، جیسے توحید، نبوت، ملائکہ، کتب الٰہی، تقدیر ربانی اور قیامت اجمالی طور سے۔ سمعیات عقائد اسلام کا وہ حصہ ہے، جو ارشادات نبوی سے ثابت ہے۔ اور اس پر عام طور سے عقلی دلائل قائم نہیں ہوسکتے، یعنی وہ عقل کی حدِ وسعت سے باہر ہے، جیسے موت کے بعد کے احوال وکوائف۔ اور بعث بعد الموت کی تفصیلات۔ تاہم یہ حصۂ عقائد اسلام عقلی دلائل کا محتاج نہیں، لیکن اہل کشف وشہود کے نزدیک صفائے ذہن اور جلائے قلب کی بدولت یہ سب حقائق یقینی اور مکشوف ہوتے ہیں۔ اور ان کا ادراک روحانی کیا جاسکتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بات واضح رہے کہ ذات وصفاتِ الٰہی کی کنہہ اور اُن کی اصل حقیقت دریافت کرنے کا بے کار کا خبط اور سمعیات کے متعلق الٹی سیدھی بحثیں چھیڑنا اور خواہ مخواہ لوگوں کی طبیعتوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا ایک غیر مستحسن حرکت ہے اور اس سے بچنا لازمی ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

توت نیکی نداری بد مکن　　　بر وجودِ خود ستم بے حد مکن

شاہ ولی اللہ صاحب نے علم عقائد پر بھی کافی لکھا ہے۔ ان کا رسالہ حسن العقیدہ خاص اسی موضوع پر ہے اگرچہ یہ رسالہ مختصر ہے، لیکن اس میں بہت سی مشکلات کو حل کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی اکثر تصانیف میں اس موضوع پر موقع بہ موقع مبسوط بحثیں ملتی ہیں۔ علی الخصوص الفوز الکبیر، ازالۃ الخفا، قرۃ العینین حجۃ اللہ البالغہ، الرسالہ الوصیۃ، اور فیوض الحرمین ہیں۔ نیز ذات و صفات الٰہی، اسمائے الٰہیہ و شیونات ربانیہ کا تفہیمات الٰہیہ، خیر کثیر اور بدور بازغہ میں اس طرح تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب فتوحات مکیہ اور شیخ عبدالکریم جیلی کی کتاب انسان کامل کا نقشہ سامنے آجاتا ہے، حق یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے مختصر اشارات میں ان جلیل القدر محققینِ معارف الٰہیہ کے کلام کے متعلق جو اشتباہات و شکوک پیدا کئے گئے تھے، ان کو رفع کر دیا۔ اسی صنف میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی تالیفات مختصر رسالہ میزان العقائد اور تحفۂ اثنا عشریہ ہیں۔ اور شاہ محمد اسمٰعیل کی کتاب ردّ الاشراک وغیرہ ہے۔

انتسابِ علمی و عملی و عرفانی جملہ علوم عالیہ (علوم نقلیہ، کشفیہ اور عقلیہ) میں شاہ ولی اللہ کی نسبت اس دور کے دو بڑے مراکزِ علمیہ و دینیہ دہلی اور حجاز مقدس سے تھی۔

۱۔ مرکز دہلی ۔ علوم نقلیہ کا سلسلہ تلمذ:۔ شاہ عبدالرحیم (والد بزرگوار) اور شیخ ابوالرضا محمدؒ (آپ کے چچا)، جن کا سلسلہ حاجی محمد افضل سیالکوٹی پر منتہی ہوتا ہے۔

علوم عقلیہ میں بھی اپنے والد اور چچا سے استفادہ کیا۔ جن کا سلسلہ محقق جلال الدین دوانی تک پہنچتا ہے۔ علوم کشفیہ میں بھی آپ کے استاد شاہ عبدالرحیم تھے، جو اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمد کے شاگرد ہیں۔ ان کا سلسلہ خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ خورد کے توسط سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور امام ربانی مجدد الف ثانی دونوں تک منتہی ہوتا ہے۔

۲۔ مرکز حجاز مقدس ۔ علوم نقلیہ شیخ ابوالطاہر کردی مدنی سے حاصل کئے۔ جن کا سلسلہ شیخ الاسلام زین الدین ذکریا استاد الکل تک پہنچتا ہے۔

علوم کشفیہ بھی شیخ ابو الطاہر کردی مدنی سے حاصل کئے، جن کا سلسلہ شیخ ابراہیم کردی (والد شیخ ابو الطاہر) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی تک پہنچتا ہے۔

اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ صاحب علوم کشفیہ میں حضرت شیخ اکبر اور حضرت شیخ مجدد کے ساتھ ساتھ امام ابو حامد محمد غزالی، شیخ صدر الدین قونوی اور شیخ عبدالکریم جیلی (مصنف انسان کامل) کی تحقیقات پر بھی اعتماد کرتے ہیں، لیکن تقلید کے درجے میں نہیں۔ بلکہ وہ اِن کبار عارفین کی طرح ان امور میں محققانہ نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے معارف انہی حضرات سے مطابقت بھی رکھتے ہیں اور کبھی کبھی آپ میں انفرادی واستقلالی شان نمایاں ہوتی ہے۔ بہرحال جو بھی معارفِ نادرہ زبان وقلم سے بیان ہوتے ہیں، پورے اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ اصول راسخہ کی بنا پر ہوتے ہیں، اور اس میں استقامت علی الدین القویم ملحوظ خاطر رہتا ہے۔

علوم عالیہ میں علوم عقلیہ کا درجہ باقی دونوں علوم سے بالعموم کم تر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ان میں وسائطِ علم (مقدمات صغریٰ وکبریٰ وحدّ اوسط) کی تحقیق کے بعد تلازم نتیجہ کی تحقیق کوہ کندن وکاہ برآوردن کے مصداق ہے۔ اس لئے حضرات محققین ومتبحرین اس سطح سے بالاتر ہو کر کلام کرتے ہیں۔ اور اگر متوسط یا عام طبقے کو انہی خطاب کرنا ہو، تو پھر بحد ضرورت وہ عقلیات کا اسلوب بیان اختیار کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ عقلیات میں بھی وہ اپنے طریقے کے خود موجد ہوتے ہیں اور کسی کی تقلید یا اتباع وہ اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتے۔

الغرض حضرات محققین ومتبحرین میں سے بعض حضرات عقلیات کے ماہر ہوتے ہیں جیسے کہ علامہ جلال الدین دوّانی۔ بعض کشفیات میں کامل جیسے حضرت امام ربّانی، اور بعض نقلیات کے متبحر ومحقق جیسے کہ امام بخاری تھے۔ اسی طرح بعض کاملین عقلیات اور کشفیات کے محقق ہوئے ہیں، جیسے حضرت امام غزالی۔ بعض نقلیات وکشفیات میں متخصص جیسے شیخ اکبر اور بعض نقلیات وعقلیات کے محقق تھے، جیسے صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی اور امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر۔ لیکن یہ شرف اور کمال حضرت شاہ ولی اللہ کو حاصل ہے، کہ ان سب علوم میں

کامل مہارت رکھتے ہیں۔ اور ان کی ذات میں عنایات ربانیہ اور عطیات رحمانیہ کا پورا ظہور ہوا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہندوستان میں یہ قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آتا ہے، اور یہ اردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو بیسیوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں، شائع ہو رہے ہیں، یا آیندہ شائع ہوں گے۔ ان سب کے اجر کا جزو اعظم یقیناً حضرت شاہ صاحب کے حسنات میں لکھا جائیگا۔ یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے ہیں اگر اس کی ابتدا آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے نہ کر جاتے، تو نہ شاہ رفیع الدین کا اردو ترجمہ وجود میں آتا، نہ شاہ عبدالقادر کا، اور متاخرین کا تو ذکر ہی کیا۔ جو شخص امت کی بے شمار نسلوں کے لئے اتنی بڑی رحمت کا دروازہ کھول گیا، اس کے اجرِ بے حساب کا حساب اور مزدِ بے نہایت کا اندازہ ہی کون کر سکتا ہے؟ — جسے تصنیف، تالیف و ترجمہ کا ادنیٰ سا تجربہ بھی ہے، وہ جانتا ہے کہ ایک موجود نمونہ کو ترقی دینے، اسے بڑھانے چڑھانے، اس میں گل بوٹے پیدا کرنے اور خود ایک نمونہ قائم کرنے کے درمیان کیا زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ بالفرض بالکل ناقص ہوتا، جب بھی فضلِ تقدم اور شرفِ اولیت کے لحاظ سے بے مثال ہوتا۔ چہ جائیکہ جب صحت و تحقیق کے لحاظ سے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر ہو۔ اور فتح الرحمٰن کے وہ جنچے تلے چھوٹے چھوٹے اشارے اور حاشیہ ایجاز و جامعیت میں اپنی نظیر آپ۔ حالات نے مساعدت کی ہوتی تو ایک مستقل مقالہ شاہ صاحب کے ترجمۃ القرآن کی خصوصیات پر ناظرین الفرقان کی نذر کیا جاتا۔

اولادِ صلبی نے جو کچھ خدمتِ قرآن کی، وہ تو ظاہر ہی ہے۔ باقی اس وقت سے اب تک بڑے چھوٹے جتنے بھی خادمانِ قرآن پیدا ہو چکے ہیں، یہ سب اگر حضرت کی اولادِ معنوی نہیں تو اور کیا ہیں۔؟

فقیر عبدالماجد عفی عنہ

(مولانا عبدالماجد دریابادی کا مکتوب بنام مدیر الفرقان)

ماخوذ از الفرقان ولی اللہ نمبر ۱۳۵۹ھ